© rasailojaraid.com

بحث ونظر

بینک سے تجارتی معاملات — چند عملی مسائل

ڈاکٹر عمر افضل

ڈاکٹر عمر افضل صاحب نے ذیل کے مقالہ میں امریکہ کے پس منظر میں بعض بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے بینک کے قرض اور سود سے متعلق چند سوالات اٹھائے ہیں اور اہل علم کو ان پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ قریب قریب یہ صورت حال امریکہ اور یورپ کے علاوہ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ اصحاب علم سے گزارش ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیں۔ ان کے خیالات کی اشاعت کے لئے تحقیقات اسلامی کے صفحات حاضر ہیں۔ (جلال الدین)

ربا کی حرمت قرآن وحدیث سے صریحاً ونصاً ثابت ہے۔ شریعۃ کورٹ نے ۱۹۹۱ء میں بینک ''انٹرسٹ'' کو بھی قانوناً ''ربا'' قرار دے دیا تھا اور پاکستانی سپریم کورٹ نے دسمبر ۱۹۹۹ء کے فیصلے میں شریعت کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا ہے۔

انگریزی میں Usury اور Interest نہ صرف دو الگ الگ الفاظ ہیں بلکہ ان کا مفہوم، دائرۂ کار اور قانونی ضوابط بھی مختلف ہیں۔ عربی اور اردو دونوں میں ان دو مختلف قانونی اور تجارتی اصطلاحوں کے لئے ایک ہی لفظ ''ربا'' (اردو میں ''سود'' بھی) عموماً مستعمل ہے۔ کیا واقعتاً دونوں کے لئے ایک ہی اصطلاح درست ہے۔ اور اسلامی شریعت میں دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟

بینک سے ملنے یا بینک کو دیا جانے والا ''انٹرسٹ'' حرام ہے یا نہیں یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ خدیو مصر نے ۱۹۰۳ء میں مصری پوسٹل ڈپازٹس پر انٹرسٹ دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ علماء اسی وقت سے اس موضوع پر اپنی آراء دیتے چلے آرہے ہیں۔ اکثریت کی رائے میں ''انٹرسٹ'' بھی ''ربا'' میں داخل ہے۔ اس لئے کہ یہ ''بیع صرف'' ہے۔ جس میں کمی بیشی حرام ہے۔ کبارِ علماء میں سے چند ہی اس کی حلت کے قائل ہیں۔ حرمت کے بارے میں عوامی جذبات میں اس قدر شدت ہے کہ جب چند سال قبل مفتی مصر شیخ محمد طنطاوی نے انٹرسٹ کی حلت کا فتویٰ دیا تو عالمِ عربی میں ایک شور برپا ہوگیا۔ حتّٰی کہ ان کے مباح الدم ہونے کے فتوے بھی صادر ہوئے تھے۔

اردو میں سود کے موضوع پر کئی اچھی کتابیں موجود ہیں۔ مولانا مودودیؒ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''سود'' اور مولانا اسعدی کی حالیہ کتاب ''الربا'' (اسلامی فقہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۹۴ء) انٹرسٹ کی حرمت کے حق میں بہت مدلل اور جامع ہے۔ علامہ اقبال سہیل کی ''حقیقۃ الربا'' انٹرسٹ کے جواز میں ہے۔ عربی میں اس موضوع پر کئی مدلل کتابیں گذشتہ دس سالوں میں سامنے آئی ہیں۔ انگریزی میں بھی اس موضوع پر بحث جاری ہے اور کئی اچھی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

زیر نظر سطور میں انٹرسٹ کے حرام یا حلال ہونے کی بحث سے قطع نظر چند عملی مسائل کو علماء کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے اس سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کا دروازہ کھل سکے گا۔ ضرورت اس لئے بھی شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ نومبر ۱۹۹۹ء میں المجمع الفقہی الامریکی کی ڈیٹرائٹ میں منعقدہ کانفرنس میں بشمول علامہ یوسف القرضاوی یہ قرارداد منظور کی گئی ہے کہ مکان خریدنے کے لئے Mortgage پر بینک سے معاملہ جائز ہے۔ اس سے قبل ہی شیخ محمد المنجّد (المجموعہ: جلد ۱۱، شمارہ ۴، ۱۴۲۰ھ) کا ایک فتویٰ نظر سے گزرا۔ سائل نے دوکان خریدنے کے لئے کسی برطانوی بینک سے متعینہ شرح پر Mortgage کی بابت دریافت کیا تھا۔ فتویٰ کے ابتدائی جزء کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

''اگر بینک مکان کا مالک ہے تو اس کی اجازت ہے کہ آپ کے ہاتھ ایک مقررہ قیمت کے عوض جو چاہے تاخیر سے ادائیگی کی شکل میں ہو یا بالاقساط فروخت کرے۔ یہ قیمت مکان کی طے شدہ قیمت سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے جو نقد ادائیگی کی شکل میں ہوتی لیکن اگر بینک صرف سرمایہ فراہم کر رہا ہے، جس پر آپ کو زیادہ ادا کرنا ہے، تو یہ واضح طور پر ''انٹرسٹ'' کی بنیاد پر طے کردہ معاملہ ہے جو یقیناً حرام ہے (صفحہ ۱۲) الخ

Interest/Lease/Mortgage: مغربی ممالک میں بینک اور بینکنگ کا نظام عام انسانی زندگی کا جزو لازم ہے۔ مکان اور کار بنیادی ضرورتیں ہیں نہ کہ سامانِ تعیش۔ کسی بھی قیمتی سامان کی خریداری کے تحت چند متبادل صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ پوری قیمت کی یک مشت ادائیگی، ۲۔ اقساط پر خریداری، ۳۔ قرض حسنہ، ۴۔ کو آپریٹو سوسائٹی ایکٹ۔

الف۔ مکان کی پوری قیمت کی یک مشت ادائیگی ہزاروں میں سے ایک کے لئے بھی آسان نہیں، حتیٰ کہ ڈاکٹر حضرات جو آسانی سے لاکھ ڈیڑھ لاکھ ڈالر سالانہ کما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیتے ہیں۔ وہ بھی ۵۔۷ سالوں میں اتنا پس انداز نہیں کر سکتے کہ نقد ادائیگی پر مکان خرید سکیں۔ عام مسلمان جن کی آمدنی ۲۵ سے ۳۵ ہزار ڈالر سالانہ ہوتی ہے، وہ ایک لاکھ ڈالر کے معمولی مکان کے لئے ۲۰۔۲۵ سال میں بھی رقم پس انداز نہیں کر پاتے۔ اور اگر کسی نہ کسی طرح کرنے کی کوشش بھی کریں تو مکان کی قیمت ۲۰ سالوں میں بڑھ کر ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو چکی ہوتی ہے۔

ب۔ صاحب حیثیت مسلمانوں سے قرض حسنہ بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ میرے علم میں گذشتہ ۲۵۔۳۰ سالوں میں پورے امریکہ میں صرف تین مثالیں ہیں اور وہ بھی ان لوگوں کی جن کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ قرض دینے والوں کو اعتماد تھا کہ ان کی رقم واپس مل جائے گی اور مکان کی قیمت بھی ایک لاکھ ڈالر سے کم تھی جس کا خاصا بڑا حصہ خریدار نے ۱۶۔۱۷ سالوں میں پس انداز کر رکھا تھا۔

ج۔ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی بھی وسیع پیمانے پر مسئلہ کا حل نہیں۔ دوسرے قرعہ اندازی میں جن ممبروں کا نمبر اخیر میں آتا ہے وہ عموماً اپنی اقساط ادا کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں دکھاتے۔ کون بیس سال تک اقساط ادا کرے؟ دس سال کی اقساط میں اتنی رقم جمع ہونا مشکل ہے کہ سارے ممبروں کو مکان مل جائے۔

د۔ مالک مکان سے براہ راست یا بواسطہ بینک Mortgage پر مکان خریدا جائے۔

ر۔ نیلامی بولی یا Fireclosme میں معاملہ طے ہو جائے۔

آخری دونوں شکلوں میں معاملہ کا دارومدار "Interest" پر ہے۔ عموماً خریدار مکان کی کل قیمت کا دس تا پندرہ فیصد پس انداز کر لیتا ہے۔ بقیہ قیمت پر مالک مکان سے معاملہ طے ہو سکتا ہے کہ خریدار اسے سالانہ کتنا انٹرسٹ ادا کرے گا۔ یہی بقیہ رقم بینک سے بھی لی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ خریدار بقیہ رقم اور ضروری شرائط پوری کر سکتا ہو۔ مثلاً ماہانہ قسط، مکان کی قیمت اور انٹرسٹ ملا کر خریدار کی ماہانہ آمدنی کا ۲۵ تا ۲۸ فیصد سے زیادہ نہ ہو۔ ذریعہ آمدنی قابل اعتماد ہو اور خریدار کے ذمہ دوسرے قرض وغیرہ نہ ہوں، یا اس نے کسی دوسرے کا قرض وقت پر نہ ادا کیا ہو وغیرہ۔ بینک سے Mortgage عموماً ۱۰ سے ۳۰ سال کے لئے مل جاتا ہے۔ اگر آپ کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے یا کسی اور ذریعہ سے آپ کے پاس زائد رقم آ جائے تو Mortgage کی رقم متعینہ وقت سے پہلے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ اگر کسی دوسرے بینک سے بہتر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرح پر معاملہ ہو سکتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ دوسرا بینک پہلے بینک کو بقیہ واجب الادا قیمت ادا کرے گا اور نئی شرح پر آپ کی ماہانہ قسط نیا بینک وصول کرنے لگے گا۔ اگر کسی وجہ سے مکان فروخت کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ ہر وقت ممکن ہے۔ بینک کا Loan صرف قیمت کے غیر ادا شدہ حصہ تک محدود رہوتا ہے۔ نفع یا نقصان خریدار کا ہوتا ہے۔

مسئلہ کو بہتر طریقے پر سمجھنے کے لئے میں اپنی مثال دیتا ہوں۔ میں یونیورسٹی میں ملازمت کرتا ہوں جہاں ہر دوسرے ہفتے تنخواہ دی جاتی ہے۔ تنخواہ کا ایک حصہ مجھے براہ راست مل سکتا ہے، یا اسی تاریخ کو یونیورسٹی میرے بینک کھاتے میں کل رقم یک مشت جمع کرا دیتی ہے۔ شہر میں کئی بینک ہیں۔ ہر بینک کوشش کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ملازمین یونیورسٹی سے براہ راست رقم جمع کرانے کے لئے اس کا انتخاب کریں۔ ہر بینک اس کے بدلے کھاتہ داروں کو Extra سہولیات دیتا ہے۔ بینک میں سیونگ، چلنگ اور کتنے ہی دوسرے کھاتے کھولے جا سکتے ہیں۔

بینک کو ہر پندرہویں دن ان سارے ملازمین کی پوری تنخواہ مل جاتی ہے جنہوں نے اس بینک کا انتخاب کیا تھا۔ ملازمین ۵۔ ۱۰۔ ۱۰۰۔ ۱۲۰۰ اپنی ضرورت کے مطابق نکلواتے رہتے ہیں یا چیک لکھتے رہتے ہیں۔ ان کو اپنی پوری رقم جمع ہوتے ہی نکلوانے کا پورا اختیار ہے۔ کبھی کبھی کسی وجہ سے کوئی ملازم اپنے کھاتے میں موجود رقم سے کچھ زیادہ کے چیک لکھ ڈالتا ہے۔ اکثر بینک معاہدہ کی ایک شق کی بنیاد پر کہ اگلی تنخواہ دو ایک دن میں آنے ہی والی ہے رقم اپنے پاس سے ادا کر دیتے ہیں۔ اگر کھاتے میں کم سے کم مطلوبہ رقم پورے مہینے جمع رہتی ہے تو بینک صرف یہی نہیں کہ ہر چیک کا کوئی ''خدمتی معاوضہ'' نہیں لیتا بلکہ جمع شدہ سرمایہ کے ماہانہ اوسط پر مزید کچھ ''نفع'' بھی ادا کرتا ہے۔ یہ اس نفع کا جز ہے جو اس نے مختلف تجارتی معاملات سے اس مہینے کمایا ہے۔ چلنگ کھاتے میں بینک کو زیادہ ''خدمت'' کرنی ہوتی ہے۔ اس لئے بینک انہیں کم شرح پر 'نفع' دیتا ہے۔ یہ نفع کی شرح ہر مہینے بدلتی رہتی ہے۔ سیونگ کھاتے میں منافع کی شرح کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کسی مہینے کھاتہ میں رقم کم از کم معینہ مقدار سے کم ہو جاتی ہے تو بینک کوئی نفع نہیں دیتا۔ کھاتہ میں موجود رقم سے زیادہ کا چیک لکھنے پر ایک معینہ ''تاوان'' بینک کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونیورسٹی میں تقریباً ۳۵ ہزار ملازمین ہیں۔ بینکوں کو ہر دوسرے ہفتے کھاتہ داروں کی رقم یکمشت مل جاتی ہے اور ملازمین اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق نکلواتے رہتے ہیں۔ بینک روزمرہ کی کاروباری ضروریات کے لئے ایک محفوظ رقم رکھ کر (Reserve) بقیہ سرمایہ قلیل یا طویل المدت تجارتی معاملوں میں معینہ نفع اور مدت پر لگادیتے ہیں۔ یہ تجارتی معاملے شخصی قرضوں کے ہوتے ہیں جیسے کار، مکان اور دوسری ضروریات زندگی کی اشیاء، یا بزنس، کارخانے وغیرہ۔ ہر بینک کا اپنا دائرہ کار ہوتا ہے اور ملکی قوانین کو پیش نظر رکھ کر قرضہ جات منظور کرنے کے شعبہ جات۔

کار: مجھے کار کی ضرورت ہے، مگر میرے پاس صرف ۲ ہزار ڈالر ہیں۔ کار کی قیمت ۲۱ ہزار ڈالر ہے، بقیہ ۱۹ ہزار کے لئے یا تو میں ۴۔۵ سال تک پوری رقم جمع ہونے کا انتظار کروں، جبکہ کار کی ضرورت فوری ہے، یا کسی بینک سے قرض لوں۔ بینک میرا کل اثاثہ، ذریعہ آمدنی، میرے ذمے دوسرے سارے قرضے اور مالی معاملات وغیرہ کی تفصیلات چک کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس ۱۹ ہزار سمیت میرے کل قرض کی ماہانہ قسط میں ماہانہ آمدنی کے ۲۸ فیصد سے زیادہ نہیں۔ میرا اثاثہ اتنا ہے کہ کسی انجانے حادثے کی صورت میں بینک کو قرض کی رقم میرے اثاثے سے مل سکتی ہے اور میری تنخواہ تو پابندی سے اس کے پاس ہر دوسرے ہفتے جمع ہی ہو رہی ہے۔ بینک مجھے ۱۹ ہزار کا قرض اس شرط پر دیتا ہے کہ میں اگلے ۴ برسوں میں اسے ۲۱ ہزار (۱۹ اصل +۲ ہزار منافع) ۴۸ ماہانہ متعینہ اقساط میں ادا کرتا رہوں گا۔ قرض منظور ہوا اور کار شام تک مجھے مل گئی۔ ۴ سالوں تک کار کے استعمال کے عوض مجھے کار کی اصل قیمت سے ۲ ہزار زائد دینے پڑے۔

شہر میں کئی بینک ہیں۔ میں نے ان سے بھی یہی معاملہ کرنا چاہا تا کہ سب سے کم شرح پر قرض حاصل کرسکوں۔ خود کار ڈیلر سے پوچھا کہ وہ کس شرح منافع پر اتنی ہی مدت کے لئے معاملہ کرسکتا ہے؟

یہی مشکل یونیورسٹی کے ۳۵ ہزار میں سے ۵ ہزار، یا اس سے بھی زائد ملازمین کو ہر سال پیش آتی ہے اور بینک سے ان سب کو اسی طرح قرض مل جاتا ہے۔ الا یہ کہ کسی بدمعاملگی یا کسی اور وجہ سے کوئی بینک قرض دینے پر آمادہ نہ ہو۔ بینک کو ۴ سالوں میں ۵ ہزار افراد سے جو دس لاکھ کا نفع ملا اس میں سے کچھ اس کے ''اخراجات'' کی مد میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔ کچھ محفوظ سرمایہ میں جمع کرائے گئے اور بقیہ رقم کھاتہ داروں اور حصہ داروں میں تقسیم کرائی گئی۔ خود مجھے بھی ایک کھاتہ دار کی حیثیت سے کچھ ''نفع'' ملا۔

ضروری نہیں کہ بینک سے جن ۵ ہزار افراد نے میری طرح قرض حاصل کیا ہے وہ بینک کو مع نفع واپس ہی مل جائے۔ مثلاً دس افراد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ۱۵۔۲۰ کی ملازمت ختم ہو جاتی ہے، چند کاریں حادثے میں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔ بینک اپنے 'Loan' کی وجہ سے قرض پر حاصل کی گئی کاریں واپس حاصل کر کے فروخت کر دیتا ہے مگر وہ پوری قیمت نہیں ملتی ہے جتنے کا قرض تھا۔ یہ نقصان بینک کے سالانہ نفع میں سے کم ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سال کا سارا نفع بھی اس نقصان کو پورا نہ کر سکے اور بینک کے محفوظ سرمایہ میں سے بقیہ پورا کرنا پڑے۔

اب ذرا دیکھئے کہ میرے کار کے مسئلے کے اسلامی حل کیا ہو سکتے تھے؟

۱۔ میں ۴ سال تک بغیر کار کے گذارا کروں اور جب رقم پس انداز ہو جائے تو کار لوں۔ اکثر حالات میں یہ قابل عمل نہیں۔

۲۔ دوستوں سے ''قرض حسنہ'' مانگوں۔ اس کا امکان چند ایک کے لئے جن کے دوستوں کا دائرہ بہت وسیع اور مالی معاملات میں اعتماد کا درجہ بہت بلند ہے، ہو سکتا ہے، مگر ہر سال ۵ ہزار افراد کے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ اسلام یقیناً ضرورت مندوں کو قرض حسنہ فراہم کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر سارے انفرادی اور ملکی وسائل مل کر بھی اس کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ ہر ضرورت مند کو قرض حسنہ فراہم کیا جا سکے۔

۳۔ مقامی اسلامی کوآپریٹو بھی مسئلے کا حل نہیں۔ اول تو اس کا سرمایہ بہت قلیل ہوگا اور صرف وہی لوگ دلچسپی لیں گے جن کی ضرورت مشترک ہوگی۔ دوسرے ان کا ''خدمتی معاوضہ'' بینکوں کے ''منافع'' اصل سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اور اگر زیادہ نہ بھی ہو تو بہر حال اصل زر پر ہوگا ہی۔ اگر یہ اضافہ اسلامی کوآپریٹو کے لئے لینا/ دینا جائز ہے تو بینک کے لئے کیوں ''حرام'' ہے؟

کیا یہ صرف الفاظ کا الٹ پھیر نہیں کہ اضافہ کا نام ''مرابحہ'' ہو تو جائز اور ''انٹرسٹ'' ہو تو حرام؟ حالانکہ دونوں شکلوں میں ''منافع'' کا عوض ایک ہی ہے اور وہ ہے ''مدت استعمال''۔

۴۔ کار 'Loan' پر حاصل کی جائے۔ ۴ سال کے لئے صرف ۲ ہزار بنیادی رقم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے کر معینہ ماہانہ اقساط پر کار حاصل کی جائے۔ ۴ سال کے بعد معاہدہ ختم ہونے پر کار واپس۔ بظاہر یہ اسلامی حل نظر آتا ہے مگر اصلاً اس میں بھی نہ صرف حق ''استعمال'' کے عوض منافع شامل ہوتا ہے بلکہ کئی اور بھی چیزیں بڑھ جاتی ہیں Loan کرنے والی کمپنی ۴ سال کے بعد کار کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم اور آج کی قیمت خرید پر نہ صرف خدمتی معاوضہ کا اضافہ کرتی ہے بلکہ استعمال کی قیمت وغیرہ بھی۔ عموماً Loan میں ۴ سال کے بعد کار کی قیمت خرید کے قریب رقم ادا کر چکنے کے باوجود خریدار کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ بینک سے قرض کی صورت میں 'نفع' کی مقدار بھی کہیں کم دینی ہوتی اور ۴ سال کے بعد کار بھی اپنی ہو جاتی۔

۵۔ کار ڈیلر سے اقساط پر کار خریدی جائے اور ۴ سالوں میں اصل قیمت پر ۲ ہزار کا اضافہ اسے دیا جائے۔ (اس پر بحث آگے آئے گی)

مکان: مکان کی خریداری کا بھی یہی حال ہے بلکہ کچھ پیچیدہ۔ فرق یہ ہے کہ کار کے مقابلے میں مکان کی ثمنیت کئی گنا زیادہ اور مطلوبہ قرض کی مدت ۱۰ تا ۳۰ سال ہوتی ہے۔ مکان بینک سے Mortgage پر لیا جائے یا اسلامی کوآپریٹو سے کرایہ کی شرائط پر۔ عملاً ہوتا یہی ہے کہ عام بینکوں کا انٹرسٹ اسلامی کوآپریٹو کے کرایہ اور خدمت کے معاوضہ سے کہیں کم ہوتا ہے۔

اسلامی کوآپریٹو کا سرمایہ بہت محدود ہوتا ہے اور سرمایہ کے تناسب سے اخراجات کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ اخراجات کی زیادتی اور نفع کی کمی کی وجہ سے اسلامی بینک اپنے گاہکوں سے ہر معاملے میں زیادہ فیسیس چارج کرتے ہیں بلکہ عموماً وہ فیسیس بھی شامل ہوتی ہیں جو دوسرے بینک اپنے اکاؤنٹ ہولڈروں سے نہیں لیتے یا بہت معمولی لیتے ہیں۔

متبادل اسلامی حل: ائمہ مجتہدین کو ربا الفضل اور ربا النسیئہ کی مروج تعریفات کی وجہ سے تجارتی اور تمدنی معاملات میں پیچیدگیوں اور لین دین کی عملی دشواریوں کا کچھ نہ کچھ اندازہ تھا۔ چنانچہ بظاہر ربوی معاملہ سے بچنے کے لئے کتنے ہی حیلے فقہ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ گذشتہ ۲۰۔۲۵ سالوں میں اسلامی بینک اور اسلامی حلال Mortgage کے نام پر مختلف تجاویز سامنے آتی رہی ہیں۔ اس وقت موقع مضاربہ، مرابحہ، مشارکہ وغیرہ پر کلام کا نہیں ہے۔ میں صرف مکان اور کار کی خرید کے دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات میں جو اسلامی حل تجویز کیئے جاتے ہیں ان کا تجزیہ علماء کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ میں پہلے بطور مثال عرض کر چکا ہوں کہ 'بکر' کو مکان کی شدید ضرورت ہے۔ بڑا خاندان، اونچے کرایہ، کرایہ کے رہائشی مکانوں کی قلت یا خراب محلوں میں وقوع کی وجہ سے اس کے لئے مکان خریدنا ''ضرورت'' ہے۔ بکر نے چند سالوں میں دس ہزار ڈالر بچا بھی لئے ہیں۔ کافی تلاش کے بعد ایک اوسط رہائشی علاقے میں تین کمروں کا مکان مل سکتا ہے، جس کی قیمت ایک لاکھ ڈالر ہے۔ جمع شدہ دس ہزار ڈالر دینے کے بعد بھی اسے ۹۰ ہزار ڈالر کا قرض درکار ہے۔ ''اسلامی بینک'' اسے ۹۰ ہزار کا قرض اس شرط پر دینے کے لئے آمادہ ہے کہ بکر کو مکان کا ''معقول اوسط'' کرایہ دینا ہوگا۔ اگلے دس یا پندرہ/بیس سالوں میں کرایہ کے علاوہ ہر ماہ وہ کچھ مزید رقم بھی ادا کرسکتا ہے۔ ہر ۵ سال پر کرایہ میں ۱۰ فیصد کا اضافہ کردیا جائے گا۔ جیسے جیسے بکر ۹۰ ہزار کے قرض میں سے اپنا حصہ ادا کرتا جائے گا کرایہ کی شرح بدلتی رہے گی حتی کہ بکر ساری رقم ادا کردے گا اور مکان اس کا ہو جائے گا۔

جمال بدوی (اسلامک ہورائزنس Islamic Horizons مئی/جون ۹۶ء: صفحہ ۲۶۔۲۷) اور ٹامس گریکو (Thomas Greco) (اسلامک ہورائزنس، ستمبر/اکتوبر ۹۸ء: صفحہ ۵۰۔۵۱) وغیرہ نے اسلامی حلال Mortgage کے ''ماڈل'' پیش کیئے ہیں۔ میں نے صرف انہی دو کا تجزیہ ایک ماہر اقتصادیات کی مدد سے کیا تھا۔ دوسرے ''ماڈل'' جیسے MSI (محمد شاہد ابراہیم اور ظفر اے حسن: Amer. Journal of Social Science جلد: ۱۰ صفحہ: ۷۲۔۸۷) تقریباً اسی جیسے ہیں۔ ان میں ہاؤسنگ کوآپریٹوان کیلی فورنیا وغیرہ کی شرائط کہیں زیادہ سخت ہیں

جمال بدوی ماڈل میں مکان کی مالیت صرف ۵۰ ہزار ڈالر ہے۔ بکر اس میں سے دس ہزار ڈالر دیتا ہے۔ (باقی ۴۰ ہزار اسلامی بنک/قرض حسن یا اسلامی ہاؤسنگ کوآپریٹو سے ''کرایہ'' کی شرط پر ملیں گے) بکر ماہانہ کرایہ دے گا۔ چونکہ مکان کا پانچواں حصہ بکر کا ہے اس لئے کرایہ کا پانچواں حصہ اور اصل میں سے ۴ ہزار سالانہ کی ادائیگی کی وجہ سے ایک سال میں بکر کا حصہ بڑھتا جائے گا۔ اس حساب سے دس سال میں مکان کی ملکیت بکر کو منتقل ہو جائے گی۔ پہلے سال کا کرایہ ۵ ہزار ۴ سو طے پایا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ہر سال دس فیصد بڑھایا جاتا رہے گا اور دسویں سال میں ۱۲ ہزار ۷ سو ۴۳ ڈالر ہو جائے گا۔ لیکن اس وقت تک بکر نے زیادہ تر اصل واپس کر دیا ہوگا۔

بظاہر تو ماڈل بہت معقول نظر آتا ہے مگر جو لوگ حساب سے معمولی بھی واقفیت رکھتے ہیں، بتا سکتے ہیں کہ یہ نا قابل عمل ہے۔ اول تو ۳ ہزار ڈالر سالانہ کے مزید حصص بکر کو خریدنے ہیں اور کرایہ بھی پورا دینا ہے۔ (بکر کا ۲۰ فیصد بھی اس کی ادائیگی میں شمار ہوگا) دوسرے سال کی ساری ادائیگیوں کے بعد بھی دسویں سال تقریباً ۱۹ ہزار ڈالر باقی رہتے ہیں جو بکر کو یک مشت دینے ہوں گے۔ دس سالوں میں 'کرایہ' کے نام پر ادا کردہ رقم کو ملا کر مکان کی قیمت تقریباً ایک لاکھ ۷ ہزار ڈالر پڑے گی۔

اگر بدوی ماڈل میں کرایہ میں سالانہ اضافہ دس فیصد سے گھٹا کر پانچ فیصد یعنی نصف بھی کر دیا جائے تو دسویں سال کی یک مشت ادائیگی کی رقم تقریباً ۱۵ ہزار باقی ہوگی اور مکان کی مجموعی قیمت ۹۴ ہزار ۳ سو ڈالر تقریباً پڑے گی۔

غیر اسلامی بینک: اگر بکر یہی رقم ایک غیر اسلامی بینک سے Mortgage پر ساڑھے آٹھ فیصد کی شرح سود پر دس سال کے لئے حاصل کر لے تو دس برسوں میں اسے اپنی ابتدائی رقم کے علاوہ ۵۹ ہزار ۵ سو ۱۳ ڈالر ادا کرنے ہوں گے۔ بکر کی ماہانہ قسط تقریباً ۴۹۵ ڈالر ہوگی اور مکان کی مجموعی قیمت ۶۹ ہزار ۵ سو ۱۳ ڈالر آئے گی۔ یعنی ۵۰ ہزار ڈالر کے مکان پر دس سال میں اسے تقریباً ساڑھے ۱۹ ہزار ڈالر زیادہ ادا کرنے ہوں گے۔

یہی صورت اس وقت بھی ہوگی اگر مکان کا مالک بکر کے ہاتھ اسی ساڑھے آٹھ فیصد شرح انٹرسٹ پر دس سال میں قیمت کی ادائیگی پر آمادہ ہو جائے۔ یہ دونوں شکلیں یہاں عام ہیں۔

بالفاظ دیگر بکر کو اسلامی ماڈل کے 'جائز' حل میں ۵۰ ہزار ڈالر کی مالیت کے مکان پر دس برسوں میں 'کرایہ' کے نام پر مزید تقریباً سڑسٹھ ہزار ڈالر (۱۰ فیصد سالانہ اضافہ) یا ۴۴ ہزار ڈالر (پانچ فیصد سالانہ اضافہ) ادا کرنے ہوں گے۔ اگر وہ یہی پچاس ہزار ڈالر کا مکان بینک یا مالک مکان سے عام شرح انٹرسٹ (ساڑھے آٹھ فیصد) پر خریدے تو اسے صرف انیس ہزار پانچ سو تیرہ ڈالر اضافی ادا کرنے ہوں گے۔ مزید برآں اس کی ماہانہ قسط بھی 'کرایہ وغیرہ' کی قسطوں سے کہیں کم ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گریکو ماڈل: Islamec Horizons) thomas H. Greco Jr. ستمبر/اکتوبر ۱۹۹۸ء: صفحہ ۵۰-۵۲) کا مجوزہ اسلامی ماڈل جمال بدوی ماڈل سے ذرا مختلف ہے۔ گریکو ماڈل میں مکان کی قیمت ایک لاکھ ڈالر ہے، جس میں سے بکر دس ہزار ڈالر دیتا ہے اور اسلامی کوآپریٹو بقیہ نوے ہزار۔ مکان دونوں کی ''مشترکہ'' ملکیت ہے۔ اس لئے بکر کو اس وقت تک ماہانہ کرایہ ادا کرنا ہے، جب تک وہ مکان کی پوری قیمت نہیں ادا کر دیتا۔ اس مکان کا مجوزہ کرایہ وہی 660.39 ڈالر ماہانہ ہے جو کسی بینک سے ۸ فیصد انٹرسٹ کی شرح سے ۹۰ ہزار ڈالر کا Mortgage لینے پر بکر کو تیس برس تک ماہانہ اقساط کی صورت میں تین سو ساٹھ قسطوں میں دینا ہوگا۔ بکر کو کرایہ میں سے ملنے والا دس فیصد (یا جو بھی تناسب آئندہ ہوگا) کوآپریٹو زر، اصل میں سے محسوب کرتا رہے گا۔ تین سو ساٹھ قسطوں کی ادائیگی کے بعد بکر کے کرایہ کے حصے سے کوآپریٹو کے زرِ اصل کی ادائیگی مکمل ہو جائے گی اور مکان بکر کی کلی ملکیت ہو جائیگا۔

گریکو کے اس ماڈل کے مطابق ایک لاکھ ڈالر کے مکان پر بکر کو ایک لاکھ اکتالیس ہزار ۱۸ ڈالر اور تیس سینٹ ''کرایہ'' ادا کرنا پڑے گا، جو بینک سے ۸ فیصد کی شرح سے Mortgage لینے کی شکل میں کل ادائیگی (ایک لاکھ ۴۷ ہزار سات سو چالیس ڈالر چالیس سینٹ) سے تقریباً چھ ہزار سات سو بائیس ڈالر دس سینٹ کم ہے۔ مکان کی مجموعی قیمت گریکو کے ''اسلامی کرایہ'' کے ماڈل میں دو لاکھ اکتیس ہزار اٹھارہ ڈالر اور تیس سینٹ بنے گی اور بینک سے انٹرسٹ کی صورت میں دو لاکھ سینتیس ہزار سات سو چالیس ڈالر اور چالیس سینٹ۔ بظاہر گریکو کا ماڈل بہتر نظر آتا ہے مگر اس میں کئی حسابی مغالطے ہیں۔

۱۔ گریکو ماڈل میں مکان کا کرایہ وہی فرض کیا گیا ہے جو بینک کو ۸ فیصد انٹرسٹ کے Mortgage کی شکل میں ماہانہ ادا کیا جاتا۔ نتیجتاً بکر کے دس فیصد کرایہ کے حصہ کے منہا کرنے کے بعد ''کرایہ'' کے نام پر ادا ہونے والی رقم (نوے ہزار ڈالر کا) صرف ۹۳ء۶ فیصد رہ جاتی ہے۔ اسی کمی کی وجہ سے تین سو ساٹھ قسطوں کے بعد تقریباً چھ ہزار ڈالر کا معمولی سا فرق پڑتا ہے۔ ورنہ ''کرایہ'' اور ''Mortgage'' دونوں شکلوں میں بکر کی کل ادائیگی اصل زر کا تقریباً ڈھائی گنا بن جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ مکان کا کرایہ ۳۰ برس تک ''منجمد'' فرض کرلیا گیا ہے۔ اگر کرایہ میں ہر ۵ سال کے بعد پانچ فیصد کا اضافہ بھی مان لیا جائے تو تیس برسوں میں مجموعی 'کرایہ' بینک انٹرسٹ سے کئی ہزار ڈالرز زیادہ ہوجائے گا جبکہ بینک کے فکسڈ انٹرسٹ پر ماہانہ قسط میں کوئی اضافہ اگلے تیس سال تک نہیں ہوگا۔

۳۔ مکان کا کرایہ اگر مجموعی قیمت (ایک لاکھ ڈالر) کا ۸ فیصد ہی مقرر کیا جائے تو تیس سال میں کرایہ کی مجموعی رقم Mortgage انٹرسٹ کی مجموعی رقم سے کہیں زیادہ ہوجائے گی۔

۴۔ کرایہ عموماً مکان کی مالیت کا ۱۲ تا ۲۰ فیصد ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ۔

یہاں عام طور پر لوگ مکان لیتے ہی اس لئے ہیں کہ مکان کا کرایہ ماہانہ Mortgage قسط سے کہیں کم یا اس کے آس پاس ہی ہوتا ہے۔ بجائے دس پندرہ برس تک 'کرایہ' ادا کرنے کے کہیں بہتر ہوتا ہے کہ مکان ہی خرید لیا جائے۔ بینک آپ کی شخصی مالی حیثیت کی بنیاد پر ابتدائی سرمایہ کل قیمت کا ۳ سے ۵ فیصد لینے پر تیار ہوجاتے ہیں۔ امریکہ میں جن لوگوں نے گریکو یا MSI ماڈل کے مطابق ''اسلامی حلال حل'' سے مکان خریدے ہیں ان کو انتہائی تلخ تجربات سے گذرنا پڑا ہے۔ اکثر کو ۱۸ سے ۲۱ فیصد کی شرح سے ادائیگی کرنی پڑی ہے، جبکہ بینک انٹرسٹ کی شرح صرف ۸ فیصد یا کم ہوتی ہے۔ یہ سب سے بڑا قانونی مسئلہ ہے۔ کرایہ کے اسلامی حل میں کئی قانونی مشکلات ہیں جو ''انٹرسٹ مارٹگیج'' میں نہیں ہیں۔ مثلاً مکان کی قانونی ملکیت کوآپریٹو کے نام ہوتی ہے۔ تیس سال میں اگر کسی وقت بھی بکر کو مکان فروخت کرنا پڑے تو اسے اس کی اجازت نہیں۔ اگر کوآپریٹو کسی وجہ سے فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہو تو بکر کے پاس کوئی راستہ نہیں کہ وہ اپنی ادا کردہ رقم واپس لے سکے۔ بکر کے ورثا کو بھی اسی مسئلے کا سامنا ہوگا۔ بینک سے مارٹگیج پر لیا ہوا مکان بکر جب چاہے فروخت کر سکتا ہے۔ بینک کو صرف اپنی رقم واپس لینے کا قانونی حق ہوگا۔

علماء کرام کے سوچنے کا مسئلہ بالکلیہ دوسرا ہے۔ کیا اصل پر اضافہ شدہ رقم کا نام 'کرایہ' رکھ دینے سے اس پر ''ربا'' کا قانونی اطلاق نہیں ہوگا۔ اسلامی ماڈل اور بینک Mortgage میں اگر اضافہ برابر بھی ہو تو ایک کے حلال اور دوسرے کے حرام ہونے کی علت سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر صرف نام بدلنے سے حلت اور حرمت کا فرق ہوسکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو کیا بینک ''انٹرسٹ'' کا نام بدل کر کچھ اور کر سکتا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ اسلامی 'کرایہ' کی بنیاد پر آپ کو بینک سے مارٹگیج سے کہیں زیادہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔

گر یکو ماڈل میں کئی اور خامیاں ہیں۔ کوآپریٹو کے پاس وسیع پیمانے پر لوگوں کے لئے مکان خریدنے کا فاضل سرمایہ کہاں سے آئے گا؟ ہر مکان پر اگر ۹۰ ہزار ڈالر بھی کوآپریٹو کو لگانے ہوں تو صرف دس ہزار مکانوں پر کروڑوں ڈالر تیس سال کے لئے پھنس جائیں گے۔ مکان خریدنے کے خواہش مند ممبروں سے تو بڑی رقمیں نہیں مل سکتیں۔ کسی حکومت کے بجٹ کا ۸۰۔۹۰ فیصد بھی عوام کی مکان کی ضروریات نہیں پورا کر سکتا۔

بینک: بینک اور بنکاری دونوں نئے تصورات ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کرنسی نوٹ۔ بنکاری کا ارتقاء اٹھارہویں صدی سے تجارتی ضروریات کا حل نکالنے اور بڑے سود خواروں کے استحصال سے بچنے کے لئے ہوا۔ صدیوں سے مہاجنی سود خواری (Usury) کا رواج تھا اور آج بھی یہ وبا عام ہے۔ حالانکہ اکثر ممالک میں یہ خلاف قانون ہے۔ Usury تجارتی مقاصد کے لئے سم قاتل تھی۔ عام آدمی کے لئے تھوڑے سے سرمایہ سے کسی منافع بخش تجارت میں شرکت کے دروازے بند ہوتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ وہ کسی چھوٹی موٹی دکان کا خواب دیکھ سکتا تھا، یا کسی دوسرے کے کاروبار میں شریک ہو جاتا تھا۔ تجارتی منڈیوں میں سود خوار افراد اور گھرانے نہ صرف عام تاجروں کو قلاش بنانے سے نہیں چوکتے تھے، بلکہ ملکی معیشت کو بھی تباہ کرنے سے نہیں ہچکچاتے تھے۔ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں ترکی کا اقتصادی زوال انہیں مہاجنی سود خواروں کے چنگل میں پھنسنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ آج جو لوگ ساہوکار مہاجن کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں وہ اس سے نہیں نکل پاتے حتیٰ کہ اپنے بچوں اور بچیوں تک کو غلامی کی زنجیر میں ہمیشہ کے لئے بندھوا دیتے ہیں۔ کتنے ہی مسلم افراد اور زمین داران ساہوکاروں کے ہاتھوں اپنا سب کچھ کھو چکے ہیں۔

مہاجنی سود خواری (Usury) سے انٹرسٹ (Interest) کا فاصلہ مغربی ملکوں نے تقریباً دو سو برسوں میں طے کیا ہے۔ اور حالات کے مطابق بنکاری کے اصول و ضوابط متعین کئے ہیں، جن میں ضرورت کے مطابق بہتری کے لئے تبدیلیاں کی جاتی رہتی ہیں۔ موجودہ بینک عموماً کسی فرد یا خاندان کی ملکیت نہیں ہوتے اور نہ ان کا مقصد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غریب اور مجبور افراد کو قرض دے کر اپنا غلام بنانا ہے۔ ہر بینک انٹرسٹ کی شرح نہ تو من مانے انداز سے طے کر سکتا ہے اور نہ وہ مہاجنی سود کی طرح ''غیر معمولی'' اونچی ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں انٹرسٹ کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے سخت قوانین نافذ ہیں۔ جدید بنکاری کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ۱۔ فاضل سرمایہ جمع کرنا، ۲۔ جمع شدہ سرمایہ کو ''مناسب'' نفع پر تجارت میں لگانا۔

پہلے اصول کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ افراد کے پاس ایسی ''دولت'' (سرمایہ) موجود ہوتا ہے جس کی انہیں فوری ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ یہ سرمایہ چند گھنٹے، چند دن یا چند مہینوں اور سالوں کے لئے نفع آور معاملات میں لگایا جا سکتا ہے۔ دوسرے اصول کے مطابق اس جمع شدہ پونجی کا زیادہ تر حصہ ایسے افراد اور اداروں کو فراہم کیا جاتا ہے جو متعینہ مناسب شرح انٹرسٹ کے ساتھ زر اصل کو واپس کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ بینک بھی مختلف طرح کے ہوتے ہیں اور مختلف ضروریات پوری کرتے ہیں۔ بینک کو چھوٹے بڑے کھاتہ داروں کی جمع کردہ رقوم کا تھوڑا حصہ (۳ تا ۴ فیصد) کھاتہ داروں کے روزمرہ کے معاملات نبٹانے کے لئے ''رزرو'' میں رکھنا ہوتا ہے، بقیہ منافع بخش کاروبار میں مختلف مدتوں کے لئے لگا دی جاتی ہے۔ نفع آوری کے اپنے متعین اصول میں، لیکن ان فیصلوں میں غلطی کا ہمیشہ امکان ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ بینک نے جن دس کاروباری معاملات میں اپنا سرمایہ لگایا ہو ان میں سے ۷ میں نفع ہو اور ۳ میں مختلف عوامل کی وجہ سے نقصان۔ سال کے آخر میں نفع اور نقصان کا میزانیہ لگا کر کچھ رقم کھاتہ داروں کو لوٹا دی جاتی ہے اور کچھ بینک کے سرمایہ میں بڑھا دی جاتی ہے۔ اگر بینکوں کو نقصان نہ ہوگا تو کوئی بینک کبھی بند نہ ہوگا۔

ترقی پذیر ملکوں میں مہاجنی سودخواری سے جدید بنکاری کا فاصلہ جو مغرب نے دو سو برس میں طے کیا تھا وہ چند دہائیوں میں طے کرنے کی کوشش کی گئی۔ بینکوں کے اہل کاروں نے اپنے شخصی فائدوں کو مقدم رکھا اور سیاست دانوں نے اس نظام کو اپنے غلط مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ عام افراد کو بینکنگ کے کسی متوازن نظام سے جو فائدے حاصل ہو سکتے تھے، وہ نہیں ملے۔ ان ملکوں میں بنکاری کے قوانین بھی نہ اتنے منضبط ہیں اور نہ لائحہ عمل ہی متعین ہے کہ ان کا غلط استعمال نہ ہونے پائے۔ ترقی پذیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکوں کو عالمی ترقیاتی اداروں سے انتہائی کم شرح انٹرسٹ پر جو رقوم فراہم کی گئی تھیں وہ سیاست دانوں اور ٹھیکے داروں کی جیبوں میں چلی گئیں اور قرضوں کا بار بڑھتے بڑھتے نا قابل برداشت ہو گیا۔ نااہل، بددیانت اور رشوت خور سربراہوں، لیڈروں اور اہل کاروں کا الزام ''انٹرسٹ'' پر لگ گیا۔

علماء کی اکثریت نے بینک انٹرسٹ کو بھی ''مہاجنی سود'' کی ایک قسم تسلیم کیا ہے اس لئے کہ اس میں بھی اگر چہ سود شرح ذرا کم ہوتی ہے، مگر متعین اضافہ کی شرط پر معینہ مدت کے لئے ہی قرض فراہم کیا جاتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اسلام میں نہ تو ''وقت کی قیمت'' کا جواز ہے اور نہ ''قرض'' پر ''اضافہ'' ہی کا۔ انٹرسٹ کو ''ربا'' کا مترادف قرار دینے کے لئے دو طرح کی دلیلیں دی جاتی ہیں۔ ایک شرعی اور دوسرے عقلی۔

۱۔ ''ربا'' حرام ہے۔ ۲۔ ''ربا'' اصل زر پر ہر اضافہ کا نام ہے۔ بینک انٹرسٹ بھی اصل زر متعین پر اضافہ ہے، اس لئے حرام ہے۔

۳۔ ''ربا'' ہر وہ زیادتی ہے جو مقابلہ میں ''عوض'' سے خالی ہو۔ یہ زیادتی متعین ہے۔ صاحب حاجت کی مجبوری کا بے جا فائدہ اٹھانا ہے۔ غریبوں کی کمائی لوٹنا ہے، اخلاقی تباہ حالی کا موجب ہے، مال داروں اور غریبوں میں نفرت پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے اور چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کا موجب ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بینکوں کو صرف اپنے نفع سے غرض ہوتی ہے۔ وہ نقصان میں شریک نہیں ہوتے۔ اسلام صرف ایسی شرکت کی اجازت دیتا ہے جس میں نفع و نقصان دونوں میں سارے شرکاء حصہ دار ہوں۔

آگے بڑھنے سے پہلے چند اہم سوالات ذہن میں رکھنے ضروری ہیں۔

۱۔ 'ربا' حرام ہے مگر 'ربا' کیا ہے اور کن اشیاء میں ربوی لین دین حرام ہے؟ (ربا الفضل اور ربا النسیٔ کا فرق)، ۲۔ کیا انٹرسٹ 'ربا' کی تعریف میں داخل ہے؟ (ربا اور مرابحہ کا فرق ذہن میں ملحوظ رہے)، ۳۔ کیا انٹرسٹ کے متبادل مجوزہ اسلامی حل قابل عمل اور بہتر ہیں؟، ۴۔ کیا رائج الوقت کرنسی درہم و دینار کی طرح ثمن خلقی ہیں یا از قبیل عروض ہیں؟

ربا الفضل: خود ائمہ مجتہدین میں علت حرمت اور اجناس ربوی کے بارے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اختلافات ہیں وہ معلوم ومشہور ہیں۔ اہل الظاہر نے تو ربا کا دائرہ صرف ان چھ اشیاء تک محدود کر دیا ہے جو حدیث میں منقول ہیں۔ جو فقہا دیگر اشیاء کو ان پر قیاس کرتے ہیں ان کی بھی معیار حرمت اور علت ممانعت میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔

ا۔امام شافعیؒ: کیل/ وزن+طعم (قول قدیم) طعم/ثمنیت اور اتحاد الجنس (قول جدید)

(اس لئے چونے، لوہے، تانبے، پیتل، کپڑے وغیرہ میں ''اضافہ'' ان کے نزدیک ربا نہیں ہے۔اسی طرح ایک فلس (سکہ) کے بدلے دو فلس کا لین دین بھی جائز ہے)، ۲۔امام مالکؒ: قوت (غذائیت) + ادخار (خراب مچھلی یا گوشت بعوض تازہ مچھلی یا گوشت میں 'ربا' جائز ہے۔اسی طرح سبزترکاریوں، 'لوہے' تانبے وغیرہ میں بھی)، ۳۔احناف/حنابلہ: کیل/ وزن+اتحاد جنس

(پھل اور وہ ساری چیزیں جو وزن اور پیمانے سے فروخت نہیں ہوتیں ان میں ربا نہیں۔ایک کے بدلے دو سیب وغیرہ لینا دینا جائز ہیں)

شیخین، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ایک معین پیسے (فلس) کو دو معین پیسوں (فلوس) کے عوض بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ فلوس کا ثمن ہونا خلقی نہیں، بلکہ اصطلاح تاس کی وجہ سے ہے۔ امام محمد اور امام محمد بن حنبل کے نزدیک اس کا جواز نہیں۔ ربا الفضل کی بحثوں میں صراحتاً ملتا ہے کہ ایک مٹھی غلہ کا دو مٹھی غلے، ایک سیب، انڈے، اخروٹ وغیرہ کا دو کے عوض تبادلہ جائز ہے۔اسی طرح مذبوحہ گوشت کا تبادلہ مسلّم جانور کے عوض وزن کے اختلاف کے باوجود جائز ہے۔ان تفصیلات کا مقصد صرف اختلاف رائے اور اس کے اسباب وعلل کو سامنے لانا تھا۔موجودہ اقتصادی لین دین میں ربا الفضل بالکلیہ خارج از بحث ہے۔اول تو کوئی شخص گیہوں کا گیہوں کے بدلے، کھجور کا کھجور کے بدلے یداً بید متساویاً معاملہ کرنے ہی کیوں لگا؟ اگر دونوں کی کوالٹی ایک ہی ہے تو عمل فضول ہے۔ اگر ایک کی قسم اعلیٰ ہے اور دوسرے کی گھٹیا تو دونوں کے لئے یہ معاملہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ حدیث بلالؓ میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ احوال ربا میں عمدہ اور فرو تر کا امتیاز قابل اعتبار نہ ہوگا یہ انسانی معاملات کے بنیادی اصول سے ٹکراتا ہے۔ غیر متوازی تبادلہ کے لئے حیلہ تو فراہم کیا جا سکتا ہے، مگر اس کا انکار تجارتی معاملات کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ ●●●

© rasailojaraid.com